پاکستان کا ایک شوریدہ سر شاعر

[ن م راشد] کچھ معروضات

شاہ رخ ارشاد/ ڈاکٹر تحسین فراقی

This is a translation of an interview of Rashed by an Irani journalist, Shahrukh Irshad, published in 1968 in Tehran. Dr. Tahseen Firaqi has furnished the translation with his own notes as well. Persian translations of two of Rashed's poems by the interviewer are also included. These are one of the earliest translations of modern Urdu poetry into Persian.

بازیافت کے تیرھویں شمارے (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۸ء) میں تہران کے مجلّہ 'سپید و سیاہ'، شمارہ ۲۱، ۱۳۴۹ھ۔ش (۱۹۷۰ء) میں ممتاز پاکستان شاعر ن م راشد کے شائع ہونے والے مصاحبے کا ترجمہ اور اس پر محاکمہ شائع کیا گیا تھا۔ (۱) زیرِ نظر اوراق میں 'سپید و سیاہ' ہی میں شائع ہونے والے ایک مضمون نما مصاحبے کے بارے میں کچھ معروضات اور بعد ازاں اس کا ترجمہ پیش کیا جائے گا۔ اس مضمون نما مصاحبے کا عنوان ہے ''شاعری شوریدہ از پاکستان'' اور اس کا سنہِ اشاعت ہے سالِ پانزدھم، ۱۳۴۷ھ۔ش/ ۱۹۶۸ء: (۲) گویا یہ تحریر مذکورہ مصاحبے سے کم و بیش دو سال پہلے 'سپید و سیاہ' میں شائع ہوئی۔ راشد سے متعلق یہ مضمون نما مصاحبہ شاہ رخ ارشاد کے قلم کا مرہونِ منّت ہے۔

اس مضمون نما مصاحبے سے راشد کی شخصیت کے بعض گوشے خوبی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ فارسی زبان و ادب سے ان کا عشق کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اس تحریر سے جہاں یہ پتا چلتا ہے کہ انھیں فارسی گفتاری پر بھی خاصا عبور تھا اور ان کا لہجہ دلنشیں اور لحن پر جوش اور محبت بھرا ہوتا تھا

وہیں اس امر کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ انھوں نے فارسی میں بھی کس قدر شاعری کی۔ میرے ناقص علم کی حد تک یہ انکشاف پہلی بار اسی تحریر کے ذریعے ہوتا ہے اور راشد کے متخصصین اور چاہنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

پیش نظر مضمون میں جہاں کئی کام کی باتیں ہیں جو راشد شناسی کی ذیل میں معاون ہو سکتی ہیں وہیں کچھ ایسے پہلو بھی ہیں جو درست نہیں۔ شاہ رخ ارشاد نے راشد کی شاعری میں عصری احساسات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی غزل گوئی کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کے شگفتہ لحن کی تعریف کی ہے مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ نہ صرف ان کی معروف نظموں 'انتقام'، 'خودکشی' اور 'رقص' (مشمولہ ''ماورا'') کو غزل کے کھاتے میں ڈال دیا ہے بلکہ ان غزلوں کے کچھ اور عنوانات بھی اضافہ کر دیے ہیں مثلاً بلبل، ساقی، تغزل، نقشِ فریاد۔ عنوانات کی حامل ان ''غزلوں'' کا راشد سے کوئی تعلق نہیں۔ ممکن ہے قارئین اس امر کا تعجب کا اظہار کریں کہ غزلوں پر عنوان چہ معنی دارد؟ اس ضمن میں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ برِعظیم اور خود ایران میں ایک زمانے میں بعض شعرا غزلوں پر بھی عنوان قائم کرنے کا اہتمام کرتے رہے ہیں مثلاً جگر مراد آبادی، ماہر القادری یا رہی معیّری (بلکہ رہی معیّری نے تو رباعیات پر بھی عنوانات قائم کیے ہیں) اور متعدد دوسرے شعرا۔ یہاں ضمناً اس امر کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ راشد کے مجموعے ''ایران میں اجنبی'' کے پہلے ایڈیشن میں ان کی سات غزلیں بھی شامل ہیں۔ گو کہ راشد نے دیباچے میں اپنی غزلوں کو تقلیدی قرار دیا ہے اور غزل سے اپنی طبعی عدم مناسبت کا ذکر کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ غزلیں کوئی ایسی گئی گزری بھی نہیں بلکہ مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ اپنی غزل کے باب میں راشد نے شاید صحیح رائے قائم نہ کی۔ ان کی غزلیں قدرتِ کلام، برجستگی اور غنائیت کا پتا دیتی ہیں۔ اگر اس صنفِ شعر کی طرف ان کا میلان جاری رہتا تو وہ اردو شاعری کو چند ناقابلِ فراموش غزلوں کا تحفہ بھی دے سکتے تھے۔

زیرِ نظر تحریر شاہ رخ ارشاد نے ''ایران میں اجنبی'' کی ایک معروف نظم 'تماشاگہِ لالہ زار' کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راشد نے اس نظم میں ایران کے ماضی کی عظمت اور

حال کے زوال کا ماتم کیا ہے مگر اس میں مغربی استعمار کا براہِ راست ذکر کہیں نہیں، نہ ''ان معصوم اور بے خبر تماشائیوں کی نفسیاتی کیفیت بیان کی ہے جو وہاں ایک تفریحی فلم دیکھنے کے لئے جمع ہیں اور جو غیر ملکی فوجیوں کے بوٹوں کی آواز ہال سے باہر اور ہال کے اندر سن رہے ہیں۔'' یہ محض مضمون نگار/ مصاحبہ کار کے متخیلہ کی ماورائے متن کرشمہ کاری ہے۔ 'تماشا گہِ لالہ زار' میں تو شاعر نے ''آدمِ نو'' کا خواب دیکھا ہے اور ماضی کو حسبِ معمول ''کابوس'' قرار دیا ہے:

مگر اب ہمارے نئے خواب کابوس ماضی نہیں ہیں
ہمارے نئے خواب ہیں آدمِ نو کے خواب
جہانِ تگ و دو کے خواب
جہانِ تگ و دو مدائن نہیں
کاخِ فغفور و کسریٰ نہیں
یہ اُس آدمِ نو کا ماویٰ نہیں
نئی بستیاں اور نئے شہریار
تماشا گہِ لالہ زار (۳)

شاہ رخ ارشاد کی زیرِ بحث تحریر کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں انھوں نے ''ایشیائی قوموں کا اتحاد ——— ایشیا، اہلِ ایشیا کے لیے'' کے اس نصب العین کا ذکر کیا ہے جو ایک زمانے میں راشد کی فکر میں ایک اہم عنصر کی حیثیت اختیار کر گیا تھا (راشد سے قبل ایشیا سے اتحادِ نظر اقبال کے ہاں نظر آ جاتا ہے)۔ راشد پر لکھنے والوں نے اس نکتہ کو اس طرح اجاگر نہیں کیا جیسے مثلاً پطرس نے اپنے خطابیہ دیباچے میں ایک مدت پہلے نمایاں کیا تھا:

''یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ جب آپ انگریز کی وردی پہن کر ایران پہنچے تو ماحول نے کچھ اس طرح آپ کا دامن کھینچا اور ماضی کی یادوں نے آپ کے دل پر کچھ ایسی دستک دی کہ آپ ہندوستان اور انگریز دونوں کو بھول گئے اور آپ کے ''سیاہ فام'' جسم میں ایشیائی روح بیدار ہوئی، وہ اس احساسِ مظلومیت جس سے کم ہی کوئی

ہندی نا آشنا تھا ——— ایشیائیوں کو آپ نے دیکھا کہ:

قدیم خواجہ سراؤں کی اک نژاد کاہل ہیں
اور اپنی اجل کی راہوں پہ تیز گامی سے جا رہے ہیں

تو آپ بے قرار ہو کر للکارے:

ان اونچے درخشندہ شہروں کی
کوتہ فصیلوں کو مضبوط کر لو
ہر اک برج و بارو پہ اپنے نگہباں چڑھا دو!
گھروں میں ہوا کے سوا
سب صداؤں کی شمعیں بجھا دو
کہ باہر فصیلوں کے نیچے
کئی دن سے رہزن ہیں خیمہ فگن

ایسے چونکا دینے والے اشعار آپ کے مجموعے میں کتنی جگہ ملتے ہیں۔ ہمارے ہاں وطنی شاعر بھی ہوئے ہیں اور قومی شاعر بھی، اخلاقی بھی اور اشتراکی بھی لیکن جہاں تک میری نگاہ پہنچتی ہے، ایشیائی شاعر آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔'' (۴)

پیشِ نظر تحریر سے راشد کے فکری ارتقا کی جانب بھی اشارے ملتے ہیں اور پتا چلتا ہے کہ عشق اور عورت کے مرتبے سے صعود کرتے ہوئے اب شاعر ''شاعری کی انسانی مسؤلیت'' اور ''شاعری برائے خدمتِ انسانیت'' کے ارفع مرتبے پر فائز ہو چکا ہے۔ یہ ایک بڑی جست ہے اور نہایت مبارک۔

شاہ رخ ارشاد نے زیرِ بحث مضمون نما مصاحبے کے دوش بدوش راشد کی دو مشہور نظموں 'اسرافیل کی موت' اور 'تمنا کے تار' (مشمولہ ''لا=انسان'') کے نثری فارسی ترجمے بھی شامل اشاعت کر دیے تھے۔ یہ دونوں ترجمے فریدوں گرگانی کے قلم سے ہیں۔ دونوں ترجمے بہ حیثیت

مجموعی خاصے کامیاب ہیں۔ 'مرگِ اسرافیل' (اسرافیل کی موت) میں ایک دوجگہ تصرفات کیے گئے ہیں۔ اس کی صرف آخری سطریں ترجمے کے اعتبار سے ناقص ہیں، اس ضمن میں آخری سطروں کے اصل متن اور اس کے ترجمے کو ایک دوسرے کے مقابل درج کیا جاتا ہے تاکہ قارئین خود تقابل کر کے اصل اور ترجمے کے فرق سے واقف ہوسکیں:

اصل متن	فارسی ترجمہ
مرگِ اسرافیل سے	پس از مرگِ اسرافیل
دیکھتے رہ جائیں گے دنیا کے آمر بھی	فرمانروایانِ جهان
زباں بندی کے خواب	فقط از دهان بندی
جس میں مجبوری کی سرگوشی تو ہو	رویای خواهند یافت
اس خداوندی کے خواب	کہ بتوانند حتّیٰ یک نجوا را
	بگوش شنوند

اسی طرح 'تمنا کے تار' میں ''محترم اہلِ مریخ دیکھے نہیں/ کبھی تم نے ژولیدہ باہوں کے رنگ'' میں ''ژولیدہ باہوں کے رنگ'' کی علامتی اور ایمائی پیرائے کا ترجمہ ''اے مریخیان/ مگر ندیدہ اید رنگِ 'بازوانِ پریشان'' مناسب نہیں ''بازوانِ ژولیدہ'' ہونا چاہیے تھا۔

''شاعری شوریدہ از پاکستان'' کا فوٹو اسٹیٹ بھی میرے قیام تہران (۲۰۰۸ء۔ ۲۰۰۵ء) کے دوران جناب شکیل اسلم بیگ نے فراہم کیا تھا۔ فوٹو اسٹیٹ ناقص ہونے کے باعث اس کے شعری متن کے بعض حصے پڑھے نہ جاسکے تھے اور اس ضمن میں ان کی فراہم کردہ سی ڈی بھی زیادہ مددگار ثابت نہ ہوسکی تھی۔ چنانچہ میں نے محبی عارف نوشاہی سے رابطہ کیا اور انھوں نے شاگردِ عزیز جناب بلال سہیل سے شعری متن کی ایک اچھی نقل حاصل کر کے مجھے مہیا کر دی۔ میں شکیل اسلم بیگ، جناب عارف نوشاہی اور جناب بلال سہیل تینوں کرم فرماؤں کا ممنون ہوں۔

ذیل میں ''شاعری شوریدہ از پاکستان'' کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جہاں

ضرورت محسوس ہوئی، حواشی تحریر کر دیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مذکورہ دونوں اردو نظموں کا فارسی ترجمہ بھی جو فریدون گرگانی کے قلم کا مرہونِ منّت ہے، حاضرِ خدمت ہے۔ راشد کے فارسی دان عشاق کے لئے اس ترجمے کا مطالعہ مسرت اور شادمانی کا باعث ہوگا۔

پاکستان کا ایک شوریدہ سر شاعر

ترجمہ وحواشی: ڈاکٹر تحسین فراقی

☆ راشد پاکستان کے نیما یوشیج (۵) کے طور پر معروف ہیں اور ان کی شاعری کا خوبصورت ترین حصہ وہ ہے جو بیرونی افواج کی ایران میں مداخلت اور تصرف سے متعلق ہے (۶)۔

☆ ایک مشہور ایران دوست شاعر کی حیات، عشق اور پر کشش شاعری [کا ذکر] کہ اب ایک مدت سے ایران میں خاموش زندگی گزار رہا ہے (۷)۔

اب کی بار ہم [آپ کو] ایک ایسے شاعر سے متعارف کر رہے ہیں جو ایک دُور کے ملک کا پیامی ہے اور خوش لہجہ سخن سرا ہے ـــــ ایک ایسے صحرائی پرندے کی مانند جو بلبلوں کے ہجوم میں جادو بھری آواز میں نغمہ سرا ہوتا ہے ـــــ اچانک اپنی زبان کھولتا ہے اور سب کو اپنے دل پذیر نغموں کی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔

ان کا نام...... راشد ہے۔ وہ ہمارے برادر اور دوست ملک پاکستان سے آئے ہیں اور اب تہران میں اقوام متحدہ کے دفتر میں ایک سربراہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ان کی صحبت خوش سخنی اور وجد ونشاط پیدا کرتی ہے اور جب وہ فارسی کی میٹھی زبان کو اردو کے دلنشیں لہجے میں آمیز کرتے ہیں تو ایک ایسا پر جوش اور محبت بھرا لحن پیدا کرتے ہیں کہ آدمی بے اختیار ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور گھنٹوں ان کی دلکش بازگشت سنتا ہے۔ انھیں ایک مدت سے ایران اور اہلِ ایران سے عشق ہے اور اس آتشیں عشق کے جلو میں انھوں نے بڑے دلکش نغمے، ترانے اور غزلیں

اس افسانہ خیز اور خواب پرور سرزمین پر نثار کی ہیں۔ وہ پاکستان کے نیما یوشیج کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ انھوں نے اپنی شاعری اور اپنے لطیف احساسات وافکار کو نئے رنگ وقالب سے مزین کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی خوبصورت ترین غزلیں ہمیشہ فارسی کی شیریں شاعری سے فیضان اندوز ہیں اور ایک بیکراں سمندر کی طرح معانی کی وسعت پہلو میں لئے ہوئے ہیں۔

اردو ان کی شاعری کی رسمی زبان ہے لیکن فارسی کلمات ان کی شاعری کو روح عطا کرتے ہیں۔ جس زمانے میں وہ اقوامِ متحدہ کے شعبۂ اطلاعات میں کام کرتے تھے، ایک بار شکاگو یونیورسٹی کے طالب علموں نے ان سے ان کے تصوراتِ شعر اور ان کی شاعری کی زبان کے بارے میں ایک انٹرویو کیا جو کہیں شائع نہیں ہوا (۸) تاہم اس یونیورسٹی کے شعبۂ ادبیاتِ شرقی کے تمام طالب علموں کو فارسی کے پرکشش اسلوب کے زیر اثر معاصر اردو شاعری سے متعارف کرنے کے ضمن میں بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ خود راشد بڑی عاجزی سے کہتے ہیں:

''ایران اور اس کے ادب سے میرا عشق میرے اشعار میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے آپ کی زبان میں بہت کم شاعری کی ہے (۹) اور اپنے پسندیدہ مضامین کو زیادہ تر اردو میں بیان کیا ہے لیکن کیا کروں کہ اردو زبان بھی درحقیقت فارسی کے شیریں لفظوں سے بھری پُری ہے اور اس حوالے سے کبھی کبھی مجھ کو متّہم بھی کیا جاتا ہے کہ میری زبان فارسی کیوں ہے اور میری شاعری میں فارسی کلمات اور تعبیرات کی کثرت کیوں ہے۔ (۱۰) اس لحاظ سے مجھ پر لگایا جانے والا الزام آپ کے ان عظیم شعرا کے ایک گروہ پر لگائے جانے والے اتہام سے مماثل ہے جنھوں نے اپنے لطیف اشعار میں بکثرت عربی کلمات سے استفادہ کیا ہے۔''

ایران صرف ان کی شاعری ہی میں نہیں بلکہ ان کے وجود، ان کی روح، ان کی زبان اور ان کے اخلاق میں گھلا ملا ہے اور اگرچہ انھوں نے اعلیٰ تعلیم معاشیات اور انگریزی ادب میں لائل پور یونیورسٹی (۱۱) سے حاصل کی ہے لیکن اس کے ساتھ انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ادبیات فارسی میں بی۔ اے بھی کیا۔ لاہور میں انھوں نے رسالہ ''شاہکار'' (۱۲) اور اسی طرح

کالج کے ادبی میگزین (۱۳) کی ادارت کی۔ اس کے علاوہ دو اور ادبی رسالوں کی اشاعت میں بھی معاون رہے کہ ان میں سے ایک خوبصورت فارسی نام کا حامل: نخلستان۔ (۱۴)

آیئے ان سے مزید واقفیت حاصل کریں۔ شعری زبان میں جہاں وہ زندگی، ہوس، لذت اور حیات کے عقدوں کے بارے میں بات کرتے ہیں، کون یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ اس مشکل مرحلے میں چوری چھپے حیات کے غم کدوں سے باہر آگئے ہیں اور عقدوں کی گرہ کشائی کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عارفانہ رنگ کا خاص طنز پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شوق اور رندی کا مظہر ہے۔ ان کی شاعری کا بڑا حصہ دلکش عارفانہ مضامین اور عصری احساسات کے امتزاج سے عبارت ہے۔ ان کا ہنر غزل میں خاصی شگفتگی رکھتا ہے اور ان کی بہترین غزلوں انتقام، خودکشی، بلبل، ساقی، تغزل، رقص، نقشِ فریاد اور دیگر خوبصورت نظموں میں ایک روحانی حالت، زندگی کے نئے زاویۂ نگاہ سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ شاعر ان میں سے اکثر میں زندگی کی علت وغایت اور انسانی جدوجہد کی توجیہ میں سرگرم نظر آتا ہے اور جنگ کے نفاق، استعماری تسلط، غیر اخلاقی وغیر قانونی دخل اندازی، مکروفریب اور دنیا کے اکثر علاقوں میں نظر آنے والے شدید مصائب مثلاً غربت، بھوک، پسماندگی وغیرہ پر دکھ اور کرب محسوس کرتا ہے اور لاکھوں خاموش فریادوں کے ہمراہ اپنی شاعری کے خوبصورت قالب میں ناپسندیدگی اور انتباہ کی آواز بلند کرتا ہے۔ گویا وہ ذہنوں میں بیداری پیدا کرنے کے لئے خود کو مکلّف محسوس کرتا ہے۔ اس خاص روحی کیفیت کا ایک سبب بلاتردید یہ ہے کہ راشد خود پاکستانی ہیں اور انھوں نے استعمار اور استعماری فریب کاریوں کو جھیلا ہے اور استعمار زدہ قوموں کے عمومی غصے اور نفرت کو اپنے وجود کے تاروپود میں محسوس کیا ہے اور بعدازاں وہ دنیا کے عظیم ترین مرکز میں برسرِ کار رہے ہیں جو انسان کے آفاقی نصب العینوں کے حصول کے لئے یعنی سیکڑوں سال سے انسان پر حاوی غربت، استعمار، نامنصفانہ رویوں، گھٹن اور بے چینی کے خاتمے کے لئے کوشاں ہے۔ ایک آزاد منش شاعر کے سوانح حیات کا بیان [کتنا] دلکش ہے جو ۱۹۱۰ء کے ایک روشن دن لاہور کے شمال میں واقع ایک چھوٹے سے کوہستانی شہر (۱۵) میں جس کی آبادی پانچ چھ ہزار نفر سے زیادہ نہ ہوگی، پیدا ہوا اور

اب اپنے منصبی وظائف کی انجام دہی کے لئے تقریباً تمام دنیا گھوم چکا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے شعری وجدان اور اپنی روحانی لطافت کی تکمیل کرتا رہا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس چھوٹے سے شہر کا نام جس میں وہ پیدا ہوا اکال گڑھ (۱۶) ہے ـــــ یعنی وہ شے جسے فارسی میں جاویدان (دائم آباد) کہتے ہیں۔

خیر چھوڑیے، آیئے دیکھیں خود راشد اپنے بارے میں کیا کہتے ہیں:

''اب کے میں دوسری بار ایران آیا ہوں اور پچھلے پانچ چھ ماہ سے آپ کے ملک میں رہ رہا ہوں۔ پہلی بار دوسری عالمی جنگ کے دوران جب ابھی پاکستان اور ہندوستان دو الگ الگ ملک نہیں بنے تھے، میں ایران، عراق، فلسطین، مصر اور مشرقِ وسطیٰ میں ہندوستان کا افسر تعلقاتِ عامہ تھا اور اس وقت میرے کام کا مرکز ایران تھا۔ سو میں دو سال اس ملک میں رہا......'' (۱۷)

پھر راشد ہندوستان، سیلون اور قاہرہ چلے گئے لیکن ایران کے اسی مختصر قیام کے دوران انھوں نے ہمارے ملک میں غیر ملکی فوجوں کے استعماری حربوں اور ان کی تکلیف دہ رفتار و حرکات کا مشاہدہ کیا اور اتھاہ دکھ نے ان کے وجود کا احاطہ کر لیا۔ ایک قدیم اور خوبصورت ملک پر جس کی محبت سالہا سال سے ان کے دل میں پیدا ہو چکی تھی، استعمار، استحصال اور غیر ملکیوں کے تسلط اور خوف کی پیدا کردہ فضا کی شکل ان کے تصور میں زندہ ہو گئی تھی۔ اس صورتِ حال نے ان کے اندر ایک عجیب نفرت اور غصے کو برانگیختہ کر دیا تھا۔ ان کے خوبصورت مگر مختصر شعری مجموعے ''ایران میں اجنبی'' میں ان کے اس اندوہ و تاثر کے قابلِ قدر نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہمدردی اور محبت کا یہ وسیع احساس جو تمام استعمار زدہ قوموں میں موجود ہے، ان کو ترقی کی طرف گامزن کرنے کے لئے آج ان کے مابین ہمکاری اور محبت کا باعث بن گیا ہے۔ ''ایران میں اجنبی'' نامی دلنشیں کتاب میں شاعر کا تمام غم و غصہ ایک بڑی موثر نظم 'تماشا گہِ لالہ زار' میں ڈھل گیا ہے۔ اس نظم میں شاعر نے ''لالہ زار'' نامی سینما میں بیٹھے ہوئے ان معصوم اور بے خبر تماشائیوں کی نفسیاتی کیفیت بیان کی ہے جو وہاں ایک تفریحی فلم دیکھنے کے لئے جمع ہیں اور جو غیر ملکی فوجیوں کے بوٹوں کی آواز نہ صرف

باہر سڑک پر سے بلکہ ہال کے اندر سے اور فلم میں بھی سن رہے ہیں اور ان کے ہونٹوں پر آئی ہنسی برف میں ڈھل جاتی ہے۔ انھوں نے یہ نقشہ بڑی خوبی سے کھینچا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ایک دن راشد کی یہ خوبصورت چھوٹی سی کتاب شعر، شیریں فارسی میں ترجمہ ہو جائے گی اور کم از کم انجمن ایران و پاکستان دونوں قوموں کے روحانی اتحاد کے اہم مقصد کے پیشِ نظر اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کرے گی۔ راشد کی یہ نظم انگریزی تک میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ راشد کا ایک اور شعری مجموعہ ''ماورا'' (۱۸) بھی بڑا مشہور ہے۔

اقوام متحدہ کے دفاتر اور انجمنوں میں کام نے راشد کو شاعری اور زندگی دونوں میں استحکام بخشا۔ وہ جکارتہ، پاکستان، واشنگٹن اور دیگر مراکز میں سالہا سال اسی منصب پر فائز رہے جس پر وہ اب ایران میں متمکن ہیں۔ ان کی وسیع آفاقی نظر جو جنگ، استعمار اور غربت کے خلاف ہے، ۱۹۵۲ء سے مختلف مقامات پر اقوام متحدہ کی تفویض کردہ ذمہ داریوں کے نتیجے میں کامل تر ہو گئی ہے، اب ایک بہت پُرکشش اجتماعی نظریے کی تشویق دلاتی ہے یعنی ''ایشیائی قوموں کا اتحاد ـــــ ایشیا اہلِ ایشیا کے لیے'' (۱۹) اور شاید ان کی اس کیفیتِ نفسی کی سب سے مضبوط دلیل یہ رہی ہو گی جو انھوں نے بچشمِ سر دیکھی ہے کہ دو ارب سے زیادہ انسان اب اس برِ عظیم میں زندگی بسر کرتے ہیں اور دیگر منطقوں میں آباد انسانوں کی مجموعی تعداد کے برابر، [مگر] متعدد مصائب و مشکلات میں گرفتار ہیں۔ ان کی خوبصورت نظم 'اسرافیل کی موت' جو الگ سے نقل کی جا رہی ہے، بہت سے حقائق اور اسرار کی آئینہ دار ہے کہ شاید سوائے اس زبان کے جس میں وہ لکھی گئی ہے، قابلِ بیان نہ ہو گی۔

راشد جب اپنی شاعری میں موجود عشق اور عشقیہ مضامین کی بات کر رہے تھے، اپنی اطالوی بیوی (۲۰) اور چھ بچوں (۲۱) کا ضمناً ذکر کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوئے:

''جب ہم جوان تھے تو ہمارے لئے فقط عشق اور عورت [اہم تھے] اور ہماری شاعری میں بھی یا عشق تھا یا عورت لیکن بعد ازاں دنیا دیکھی اور زندگی کے صدہا

رنگ اور عظیم تر اور بزرگ تر عشق وعین نگاہ میں آئے اور یوں اجتماعی احساسات اور انسانی عواطف ہماری شاعری میں سما گئے اور اب اپنے عہد کی شاعری کی انسانی مسؤلیت یعنی شعر برائے خدمت انسانیت کے سوا ہمیں کچھ نہیں سوجھتا۔''

اور شاعری کی مسؤلیت کی انجام دہی کے ضمن میں ان کی آرزوئیں ایک لطیف نظم 'تمنا کے تار' میں بہ خوبی آئینہ ہوتی ہیں۔ (۲۲) ہمارے یار گرامی فریدوں گرگانی نے جنھوں نے راشد کی 'اسرافیل کی موت' کا اردو سے فارسی ترجمہ کیا تھا، اس نظم کا بھی بڑا عمدہ ترجمہ مہیا کیا ہے۔ آیئے اسے مل کر پڑھتے ہیں اور شاعر کی شریف وجمیل نصب العینوں سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

راشد کی نظموں 'اسرافیل کی موت' اور 'تمنا کے تار' کے فارسی تراجم:

مرگ اسرافیل

برمرگ اسرافیل اشک فروریزید
زیرا آن رازدار خدایان
آن خداوند سخن
آن روح جاویدِ آواز انسانی
آن ندای پیکران آسمانها
بیائید براین خواب بی ہنگام اسرافیل
اشک بیفشانیم
او اکنون در آغوش کرنای خود آرمیدہ است
گوئیا کولاکی وی را،
برکرانہ افگندہ است
بیائید وبنگرید
چگونہ در آفتاب سوزان

امروز:
ھمچون سخنی ناتمام
خاموش است
برمرگ اسرافیل اشک فروریزید

نشانہ ای از نداھای غیبی بود
نداھای کہ از ازل تا ابد گستردہ است
فرشتگان برمرگِ اسرافیل
حلقہ در حلقہ سوگواری می کنند
فرزند آدم:
گیسو بخاک آغشتہ و نزار است

روی شن ھای ساحل
آرام وخاموش
کرنا در بغل
خوابیدہ است
بیائید و ببینید
چگونہ دستار و گیسو
ریش وابرو
بخاک آلودہ است
دستار و گیسوئی کہ
بود و نبودِ ما
در چین ھای آن بود
ببینید چگونہ کرنای او
دور از لبھایش
در فغانِ خود گم شدہ است
کرنای کہ دیروز ود
از ورو شن بود
برمرگِ اسرافیل اشک بیفشانید
او تجسم ولولہ و زمزمہ بود
ھمہ خاموشند
واعظ شھر بر منبر چہ خواھد گفت
حال کہ مرغان

دیدگان حضرتِ باری
تار است
دیگر از آسمانھا
صفیری بگوش نمی رسد
دیگر از عالم لاھوت
نفیری نمی آید
با مرگ اسرافیل
روزی بر آوازھا بستہ شد
روزی خنیاگران و روزی چنگھا
دیگر نغمہ پرداز چہ بخواند؟
و چگونہ نغمہ پردازی کند
اکنون کہ تار دلھا نمی لرزد
رامشگر چگونہ از شور بلرزد
و خنیاگر چگونہ پای کوبی کند؟
دیگر آوایی
از فرش و در و دیوار بزم خانہ ھا
برنمی خیزد
اکنون کہ آستانہ و گنبد و مینار

وآن آخرین ملجای ما
گم شدہ اند

درخانه وکهسار خاموش مانده اند
صیاد فکر چگونه دام می گسترانند؟
مرگ اسرافیل
مرگ گوش شنوا و لب گویا بُود
مرگ چشم بینا و دل دانا بُود
آن همه های وهوی درویشان
—— از او بُود

آن همه گفت وشنود صاحبدلانی
—— از او بُود

صاحبدلانی که امروز
سرمه در گلو و گوشه گیرند
اکنون آن همه یاهوها
آن همه یاربها
گم شده اند
هر آوای کوی و برزن
از مرگ اسرافیل
ساعات جهان مارا خواب برده
وقتِ ما به سنگ درآمده
گویا او اهارا کسی بلعیده
تنهائی اس که کمال حسن
از یاد برده است
سکوتی که نام ما

از یاد رفته است
پس از مرگ اسرافیل

فرمانروایانِ جهان
فقط از دهان بندی
رویائی خواهند داشت
خواب آن خداوندی را خواهند دید
که بتواند حتی یک نجوا را
بگوش شنوَد
ترجمه: فریدون گرگانی

ژولیده تارهای آرزو

ژولیده تارهای آرزو
نادیده تارهای آرزو چه درهم گره خورده است
دوش مردمی از ستارگان فرود آمدند

واکنون نمامی گویند
رها سازید ژولیده تارهای آرزو را
بگشائید گره ها را
راست سازید این تارها را
همچو اشعهٔ ستارگان
تا نبارد از ستارگان تیرها
که، نی برجای ماند آرزوها
نی، تارهای آرزو
ما نیک میدانیم
تارهای آرزو یمان ژولیده است
لیک، این رهروان از ستاره آمده
آرزو را نمی شناسند
و راز ژولیدگی تارهای آن را
نمی دانند
آرزو کالای گرانبهای جهانِ ماست
کالای گرانبهای جهانِ فانیِ ماست
لیک این رهروان از ستاره آمده
به زنجیر ابدیت گرفتاراند
گفتم بدیشان
ای مریخیان
نمی دانیم از کدام ستاره ها اید
لیک می گوئیم
با احترام وچاپلوسی
ای مریخی های عزیز
مگر رنگِ تارهای آرزو را
نمی بینید
شاید ایشان ران
به رنگها
رغبتی نباشد
شاید رنگها را
درک نکنند
چون فراق ووصالشان
دیگرگون است
ماه و سالشان
دیگرگون است
لیک باز بدیشان می گوئیم
اے مریخیان
مگر ندیده اید رنگِ بازوان پریشان را
مگر ندیده اید رنگِ چشمِ مست عاشقان را
مگر ندیده اید رنگ گناه ها را
ترجمه: فریدون گرگانی

حواشی وتعلیقات

١ مقالے کا عنوان تھا: ''پاکستان کے نیما یوشیج کے ارشادات'' ـــــ ایک تجزیہ، ایک محاکمہ۔

٢ بحوالہ ن م راشد۔ایک مطالعہ۔(مرتبہ جمیل جالبی)۔ ٢٤۔ جولائی ١٩٦٨ء۔ص ١٢

٣ ایران میں اجنبی۔ باراوّل، ١٩٧٥ء۔ص ٩٩، ١٠٠

٤ ایضاً۔ص ١٠، ١١

٥ ''نیما یوشیج'' کے ضمن میں معلومات کے لیے بازیافت، شمارہ ١٣ میں راقم کے مقالے کے ص ٣٥٥۔ ٣٥٧ اور ص ٣٦٣، ٣٦٥ ملاحظہ فرمایئے۔

٦ اس ضمن مین ''ایران میں اجنبی'' کی نظمیں 'من وسلویٰ'، 'نارسائی'، 'کیمیا گر' اور 'تیل کے سوداگر' خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ یہ نظمیں شاعر کی حریت کیشی، دردمندی اور استعمار دشمنی کی روشن براہان ہیں۔

٧ ایران میں راشد کا دوبارہ تقرر ١٩٦٧ء میں بطور ڈائریکٹر یو این انفارمیشن سنٹر تہران، ہوا۔

٨ یہ مصاحبہ ''نیا دور'' کراچی کے شمارہ ٤٩۔٥٠ میں شائع ہوا اور بعد ازاں ''لا=انسان'' میں۔ چھتیس صفحات پر مشتمل یہ مصاحبہ راشد کی شخصیت اور فن کی کئی پرتیں کھولتا ہے۔

٩ راشد کا یہ کہنا کہ انھوں نے فارسی میں بہت کم شاعری کی ہے، اس اعتبار سے انکشاف کا درجہ رکھتا ہے کہ ان کی فارسی شاعری کا کوئی نمونہ کم از کم راقم کے مطالعہ میں نہیں آیا۔ ممکن ہے راشد کا یہ انکشاف ان کے محبوں کو مہمیز کرے اور یوں ان کی فارسی شاعری کے کچھ نمونے منصۂ ظہور پر آجائیں۔

١٠ فارسی اور خصوصاً اس کے کلمات وتراکیب نیز تعبیرات کی طرف راشد کے غیر معمولی میلان کو سب سے پہلے پطرس نے اپنے لطیف انداز میں ہدفِ تنقید بنایا۔ اس ضمن میں ''ایران میں اجنبی'' میں پطرس کا دیباچہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آفتاب احمد کو بھی راشد سے شکایت رہی کہ راشد نے ''اردو میں فارسی شاعری کی ہے۔'' میرے خیال میں یہ شکایات وزن نہیں رکھتیں۔ فارسی زبان وادب راشد کی

تیغِ شاعری کا جوہر ہے اور اسی سے اس شمشیر آب دار میں کاٹ اور کرشمہ کاری پیدا ہوئی ہے۔

راشد نے اس مصاحبے میں اپنے اوپر لگائے گئے اس ''اتہام'' کا ذکر اپنے اُس معروف مکتوب میں بھی کیا ہے جو سلیم احمد کے مضمون ''نئی نظم اور پورا آدمی'' مطبوعہ ''نیا دور'' کراچی سے متاثر اور مسرور ہو کر راشد نے انھیں لکھا تھا اور جو ''نیا دور'' ہی میں شائع ہوا۔ اس مکتوب سے پتا چلتا ہے کہ معترضین میں سے ایک نے فارسی لغات وتراکیب کی طرف ان کے میلان کے باعث انھیں ناسخ سے مشابہ قرار دیا تھا۔ اپنے خط میں راشد نے اپنے دفاع میں کئی پتے کی باتیں کیں۔ مثلاً لکھتے ہیں:

''اول تو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے نقاد خود سال میں ایک آدھ نیا لفظ سیکھنے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ دوسرے کوئی لفظ اپنی جگہ اجنبی یا مشکل نہیں ہوتا۔ اس کا اجنبی یا مانوس ہونا اور اس کا مشکل یا آسان ہونا سیاق وسباق پر منحصر ہے بلکہ آج کل کی زبان میں پوری نظم کی فضا پر منحصر ہے۔ کسی نقاد نے آج تک یہ کیوں نہیں لکھا کہ فلاں لفظ فلاں نظم کے سیاق وسباق یا اس کی فضا سے لگا نہیں کھاتا۔ تیسرے ہم غالب کے اجنبی الفاظ یا ایذرا پاؤنڈ کے نامانوس لغت کیوں کر ہضم کر جاتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ کوئی بھی شاعر ایسا نہ ہوگا جسے اظہار کی دقتوں کا سامنا ہوا اور وہ ایک حد تک نامانوس الفاظ کا سہارا نہ لے۔''

[مقالات راشد۔ مرتبہ: شیما مجید۔ ص ٧٣]

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ زبان مسلمہ طور پر اظہار کا ناقص میڈیم ہے اور شاعر اور صوفی دونوں اس مشکل سے دوچار رہے ہیں کہ اپنے عمیق اور تہ دار خیالات ومحسوسات کو کیسے موثر ترین پیرائے میں بیان کریں۔ صوفی کی یہ مشکل بعض اوقات ''شطحیات'' کی صورت میں اور شاعر کی مشکل مغلق اور پیچیدہ لغات وتراکیب وغیرہ کے پیرائے میں ظہور کرتی ہے۔ شاعری میں لفظ ولغت کا مسئلہ ایک تفصیلی مبحث کا متقاضی ہے جس کا یہ موقع نہیں۔

١١ یونیورسٹی نہیں، گورنمنٹ کالج لائل پور، (حال فیصل آباد)۔ یہاں اور مضامین کے علاوہ راشد نے فارسی بھی پڑھی۔

١٢ ''شاہکار'' کے مدیر تاجور نجیب آبادی تھے۔ ١٩٣٥ء میں راشد نے اس کی نائب ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔

١٣ راشد نے گورنمنٹ کالج کے میگزین ''راوی'' کے اردو حصے کی ادارت کے فرائض ١٩٣١ء۔ ١٩٣٢ء کے دوران انجام دیے۔

۱۴ نخلستان کی ادارت کا زمانہ ۱۹۳۲ء- ۱۹۳۴ء کا ہے۔

۱۵ اکال گڑھ (موجودہ نام علی پور چٹھہ) ایک میدانی قصبہ ہے، کوہستانی شہر نہیں۔

۱۶ ''اکال'' میں الف نفی کا ہے لہٰذا اکال کا معنی ''بے وقت'' ہے۔ شاید اسی نسبت سے شاہ رخ ارشاد نے اسے ہمیشگی (جاویدان) کے مترادف ٹھہرایا ہے۔ منفی معنوں میں ''اکال'' بے محل، بے موقع اور برے وقت کے لیے بھی مستعمل ہے۔

۱۷ ایران میں راشد کے پہلے قیام کا زمانہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک کا ہے۔

۱۸ ''ماورا'' کی اولیں اشاعت مکتبۂ اردو لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۴۱ء میں ہوئی۔

۱۹ اس ضمن میں راشد کی نظم 'نارسائی' کی درج ذیل سطریں کس قدر قابلِ توجہ اور راشد کے عہد کے ضحاک کی نسبت ہمارے عہد کے ''ضحاکِ اعظم'' پر کہیں زیادہ خوبی سے منطبق ہوتی ہیں:

''اور اب عہدِ حاضر کے ضحاک سے رست گاری کا رستہ یہی ہے.....

کہ ہم ایک ہو جائیں ہم ایشیائی
وہ زنجیر جس کے سرے سے بندھے تھے کبھی ہم
وہ اب سست پڑنے لگی ہے
تو آؤ کہ ہے وقت کا یہ تقاضا
کہ ہم ایک ہو جائیں ہم ایشیائی''

۲۰ شیلا راشد کے والد اطالوی اور والدہ انگریز تھیں۔

۲۱ پہلی بیوی سے راشد کے پانچ بچے نسرین، یاسمین، شاہین، شہریار اور تمزین اور شیلا سے ایک بیٹا نزیل ہے۔

۲۲ مشمولہ لا= انسان۔ المثال۔ ص ۹۱-۹۳